© rasailojaraid.com

بحث ونظر

قرآن پاک میں قصوں کی تکرار

جناب عبیداللہ فہد فلاحی

قرآن پاک میں پچھلے انبیاء اور ان کی قوموں کی جو سرگزشتیں بیان ہوئی ہیں ان میں بڑا سامانِ عبرت موجود ہے بشرطیکہ آدمی عقل سے کام لے اور ان سرگزشتوں کو محض دوسروں کی حکایت اور داستان نہ سمجھے بلکہ ان سے خود اپنی زندگی کو درست کرنے کے لیے سبق حاصل کرے چنانچہ قرآن کا دعویٰ ہے کہ ان واقعات میں عقلمندوں کے لیے عبرت اور نصیحت ہے۔

لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ (یوسف: ۱۱۱) — ان انبیاء کی سرگزشتوں میں اہلِ عقل کے لیے بڑا سامانِ عبرت ہے۔[۱]

یہ واقعات اور قصے قرآنِ پاک میں بار بار اور ایک سے زیادہ جگہوں پر بیان ہوئے ہیں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کیا اس تکرار کا مقصد محض تذکیر و یاد دہانی ہے[۲] یا اس کی کچھ اور حکمتیں بھی ہیں۔ علماء نے اس تکرار کے متعدد فوائد گنائے ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں۔

۱۔ اس تکرار سے قرآن کی اعلیٰ درجہ کی بلاغت اور انسانی طاقت سے ماوراء فصاحت کا اظہار ہوتا ہے۔ قرآن میں جس کسی قصے کی بھی تکرار ہوئی ہے ہر جگہ اسلوب بدلا ہوا ہے، الفاظ مختلف ہیں، سیاق وسباق جدا ہیں اور قصہ کے صرف انہی پہلوؤں سے بحث کی گئی ہے جو اس مقام پر ضروری محسوس ہوتے ہیں بقیہ اجزاء سے یا تو صرفِ نظر کیا گیا ہے یا ان کی طرف اشارات کر دیے گئے ہیں۔ اس سے قرآن پاک کا اعجاز کھل کر سامنے آجاتا ہے جو قرآنی ادب کے مقاصد میں تو نہیں لیکن اس کے لوازم میں ضرور شامل ہیں۔

۲۔ اس تکرار سے جن معانی کو ذہن نشین کرنا مقصود ہوتا ہے وہ اچھی طرح ذہن و دماغ میں رچ بس جاتے ہیں کیونکہ تکرار سے تاکید و توضیح کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔[۳]

۳۔ قصوں کی بار بار تکرار سے سارے انبیاء کی داستان محفوظ ہو گئی ہے۔ اگر تکرار نہ ہوتی تو ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قصوں کے ضائع ہونے کا اندیشہ تھا مثال کے طور پر حضرت موسیٰؑ کی داستان ایک قوم کے پاس محفوظ ہوتی اور عیسیٰؑ کی داستان کسی اور کے پاس ہوتی اس طرح سارے قصے منتشر ہو جاتے۔

۴۔ انبیاء کے ان قصوں کا بار بار اعادہ کر کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے اور مصائب و آلام کے ماحول میں آپ کی تثبیتِ قلب کا سامان کیا گیا ہے چنانچہ قرآن خود کہتا ہے کہ یہ سرگزشتیں ہم اس لیے سناتے ہیں کہ ان کے وہ پہلو ہم تمہارے سامنے لائیں جو تمہارے دل کو مضبوط کریں تاکہ ان حالات کا پامردی اور استقلال کے ساتھ مقابلہ کر سکو جو تمہیں پیش آئے ہیں یا آئندہ پیش آسکتے ہیں۔ فرمایا:۔

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ (ہود: ۱۲۰)	اور ہم رسولوں کی سرگزشتوں میں سے ہر ایک تمہیں سنا رہے ہیں جن سے تمہارے دل کو تقویت دیں ۵۴

تکرار کی اصل حکمت

مندرجہ بالا فوائد اور حکمتوں سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ان کا بھی ایک مقام ہے۔ لیکن جن لوگوں نے قرآن پاک کا نظم کلام کی روشنی میں مطالعہ کیا ہے اور ایک ہی قصہ کو اس کے مختلف مقامات کے تقابل کے ساتھ دیکھا ہے وہ اس بات کو اچھی طرح محسوس کر سکتے ہیں کہ اگر کسی مقام پر واقعہ کے ایک پہلو کو نمایاں کر کے بیان کیا گیا ہے تو دوسرے مقام پر اس کے کسی دوسرے پہلو کو۔ گویا سابقہ آیات کے سیاق و سباق میں واقعہ کے کسی خاص پہلو پر زور دینا مقصود ہوتا ہے کیونکہ جس طرح ایک دلیل مختلف دعووں کو ثابت کرتی ہے اسی طرح ایک قصے سے مختلف نتائج مستنبط ہوتے ہیں اور متعدد موقعوں پر ان سے استشہاد کیا جاتا ہے اسی لیے ان قصوں کے اعادہ سے مختلف نتائج پیدا ہوتے ہیں ۵۵

قصۂ آدمؑ و ابلیس

مثال کے طور پر قصۂ آدمؑ و ابلیس کا مطالعہ کیجئے یہ قرآن میں سات مقام پر بیان ہوا ہے لیکن ہر جگہ پس منظر، مقصد تکرار اور لواحق و تضمنات بدلے ہوئے ہیں اور ہر مقام پر واقعہ کے اس خاص پہلو پر زور دینا مقصود ہے جو دوسری جگہ پر مقصود نہیں ہے۔ مثال کے طور پر سورۂ بقرہ کو لیجئے۔ آیت ۳۰ سے ۳۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تک دس آیات میں یہ قصہ بیان ہوا ہے اس سے پہلے ان لوگوں کا بیان ہوا ہے جو اس کتاب پر ایمان لائیں گے اور ان لوگوں کا بھی جو ایمان نہیں لائیں گے بلکہ اعراض و استکبار، تعصب و ہٹ دھرمی اور عناد و مخالفت کی راہ اپنائیں گے۔ خاص طور سے یہودیوں کو متنبہ کیا گیا ہے اور ان کی چالوں سے بنی اسماعیل کو ہوشیار کیا گیا ہے اور اس کے بعد آگے کی دس آیات میں آدمؑ کی خلافت اور شیطان کی مخالفت کی سرگزشت ہے جو اپنے اندر گوناگوں حکمتیں رکھتی ہے:

۱۔ یہ سرگزشت ایک آئینہ ہے جس میں اس تمام موافقت اور مخالفت کی پوری تصویر سامنے آجاتی ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ فرشتوں کا سوال کرنا اور جواب پاکر مطمئن ہونا ان لوگوں کی مثال ہے جو آغاز دعوت میں اسلام کے مخالف یا متردد تھے لیکن شکوک و شبہات کے بادل جیسے چھٹے وہ تحریک اسلامی کے ہراول دستے کے سپاہی بن گئے لیکن جو لوگ غرور جاہ، غرورِ نسب یا حسد کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف تھے وہ شیطان کی طرح عداوت میں بڑھتے چلے گئے۔

۲۔ یہ پیشین گوئی کی گئی ہے کہ جس طرح ابلیس کے غم وغصہ کے علی الرغم آدمؑ کو خلافت سے نوازا گیا اسی طرح یہود کے حسد اور نفرت کے باوجود رسول اللہ اور آپ کے ساتھیوں کو غلبہ و تمکن مل کر رہے گا اور یہود ابلیس کی طرح ذلیل و خوار ہو کر رہیں گے۔

۳۔ نہایت لطیف اسلوب میں ان لوگوں کو دعوت ایمان دے دی گئی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ابھی تک ایمان نہ لائے تھے لیکن ان کا ایمان نہ لانا کسی حسد اور تکبر کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اس وجہ سے تھا کہ آپ کی دعوت کے پہلو ابھی تک ان پر اچھی طرح روشن نہ ہوئے تھے۔

۴۔ اس حقیقت کی طرف بھی رہنمائی کر دی گئی کہ آدمؑ کی اس غلطی اور شیطان کے اس بہکاوے سے وحی کی ضرورت واضح ہو جاتی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ ہر دور میں اپنے انبیاء بھیجتا رہا ہے اور جس کی آخری کڑی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جو لوگ اس ہدایت کی پیروی کریں گے وہ شیطان کی چالوں سے محفوظ ہوں گے ورنہ انھیں جہنم میں جلنا ہوگا۔

سورۂ اعراف میں:

۹ تا ۲۵ آیات میں یہ واقعہ مزید تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے اس سے پہلے کی آیات میں کفار قریش کو ملامت کی گئی ہے کہ اللہ نے اس محترم سرزمین میں تم کو قوت و شوکت بخشی، خوف سے نجات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دی اور تمہارے لیے معاش و معیشت کی راہیں کھولیں لیکن تم خدا کے فرماں بردار ہونے کے بجائے اس کے ناشکرے اور نافرمان بن گئے:

وَلَقَدْ مَكَّنَّاكُمْ فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا	اور ہم نے تمہیں اس ملک میں اقتدار بخشا
لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ ۗ قَلِيلًا مَّا	اور تمہارے لیے معاش کی راہیں کھولیں لیکن
تَشْكُرُونَ. (اعراف: ۱۰)	تم بہت ہی کم شکر گزار ہوتے ہو۔

خدا کے ان احسانات کا تقاضا یہ تھا کہ تم اس چیز کی پیروی کرتے جو تم پر تمہارے رب کی طرف سے اتاری گئی ہے اور خدا کے سوا دوسرے معبودوں اور شریکوں کی پیروی نہ کرتے یہ خیالی اولیا اور اصنام تمہارے کام آنے والے نہیں ہیں:-

اِتَّبِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ	پیروی کرو اس چیز کی جو تمہاری طرف تمہارے
رَبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ	رب کی جانب سے اتاری گئی ہے اور اس
أَوْلِيَاءَ ۗ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ	کے ماسوا سرپرستوں کی پیروی نہ کرو۔ بہت
(اعراف: ۳)	کم ہی تم لوگ یاد دہانی حاصل کرتے ہو!

اس کے بعد قصۂ آدمؑ و ابلیس سنا کر قریش کو یاد دلایا کہ شیطان نے آدمؑ اور ان کی ذریت کی ابدی دشمنی کی جو قسم کھائی تھی وہ قسم جس طرح آدمؑ و حواؑ کو دھوکا دے کر اور جنت سے نکلوا کر اس نے پوری کی اسی طرح اس نے اپنی وہ قسم تم پر بھی پوری کر لی ہے اور تم پوری طرح اس کے جال میں پھنس چکے ہو۔

دوسری بات یہ کہ یہاں چونکہ معاملہ کفار قریش سے تھا جو سرتاپا شرک کی نجاستوں میں آلودہ تھے اس لیے توحید کی اصل تعلیم پر توجہ دلائی گئی اور واقعہ کے اس نمایاں پہلو کو اجاگر کیا گیا کہ شیطان کا اہل ہدف عقیدۂ توحید ہے۔ یہی وہ صراطِ مستقیم ہے جس پر گھات لگانے اور شب خون مارنے کا اس نے الٹی میٹم دے دیا ہے کہ میں اس راہ سے ہٹا کر رہوں گا اور انسانوں کی اکثریت اس سے منحرف ہو کر خدا کی ناشکری کرنے والی بن جائے گی:

"بولا، چونکہ تو نے مجھے گمراہی میں ڈالا ہے اس وجہ سے میں تیری سیدھی راہ پر ان کے لیے گھات میں بیٹھوں گا، پھر میں ان کے آگے، ان کے پیچھے، ان کے داہنے اور ان کے بائیں سے ان پر تاخت کروں گا اور تو ان میں سے اکثر کو اپنا شکر گزار نہ پائے گا"

(اعراف: ۱۶، ۱۷)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تیسری بات یہ کہ یہاں اس امر کی طرف بھی اشارہ کر دیا گیا ہے کہ قریش نے ہدایتِ ربّانی کو نظر انداز کر دیا ہے۔ اسی وجہ سے شیطان نے انھیں ورغلا کر اسی طرح ان کے کپڑے اتروا لیے ہیں جس طرح ان کے ماں باپ کے اتروا لیے تھے اس طرح ان کی یہ بے حیائی خدا کے حکم کی تعمیل میں نہیں بلکہ شیطان کی پیروی میں ہے۔ یہ شیطانی اغوا کی ایک کھلی ہوئی علامت تمہاری زندگی میں موجود ہے تم نے اپنے رب کی رہنمائی سے بے نیاز ہو کر اور اس کے رسولوں کی دعوت سے منہ موڑ کر اپنے آپ کو شیطان کے حوالے کر دیا اور اس نے تمہیں انسانی فطرت کے راستے سے ہٹا کر اس بے حیائی میں مبتلا کر دیا جس میں وہ تمہارے پہلے باپ اور ماں کو مبتلا کرنا چاہتا تھا۔ فرمایا:

> "اے بنی آدم، شیطان تمہیں فتنے میں نہ ڈالنے پائے جس طرح اس نے تمہارے باپ ماں کو جنت سے نکلوا کر چھوڑا اُن کے لباس اتروا کر ان کو ان کے سامنے بے پردہ کر دے، وہ اور اس کا جتھا تم کو وہاں سے تاڑتا ہے جہاں سے تم ان کو نہیں تاڑتے"
>
> (اعراف: ۲۷)

یہاں یا بنی آدم کے خطاب میں جو بلاغت ہے اسے بھی نظر میں رکھنا چاہیے۔ فرمایا کہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ آدم کی اولاد اپنے باپ کے ساتھ شیطان اور اس کی ذریت کی اس دشمنی کو بھول جائے جو سراسر کینہ اور حسد پر مبنی تھی۔

سورۂ حجر میں

آغاز میں کفار کے بارے میں یہ صراحت کر دی گئی ہے کہ آج یہ لوگ اس کتاب کا انکار کر رہے ہیں لیکن ایک ایسا وقت آئے گا جب یہ تمنا کریں گے کہ کاش اس کتاب کو مان کر ان ہولناک نتائج سے محفوظ رہتے جس سے اس بات کی وضاحت ہو گئی ہے کہ آج جو لوگ ایمان نہیں لا رہے ہیں اور غرور و تکبر کے ساتھ خدا کے رسول کی تکذیب کر رہے ہیں ان کے کفر اور تکبر کا اصل سبب یہ نہیں ہے کہ رسولوں کی صداقت ثابت کرنے کے لیے دلائل موجود نہیں ہیں یا ان کے مطالبوں کے جواب میں انھیں معجزات نہیں دکھائے جا رہے ہیں بلکہ یہ لوگ دنیوی لذتوں میں مست ہیں اور لذیذ آرزوؤں کے خواب دیکھ رہے ہیں اور ابلیس کے اس فریب میں پھنس چکے ہیں جس کی دھمکی اس نے اس وقت دی تھی جب اسے آدمؑ کو سجدہ کرنے کا حکم ہوا تھا۔ اس کے بعد تفصیل سے یہ قصہ بیان ہوا ہے جس میں چند مزید حکمتیں اور مضمرات ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۔ اس قصہ سے بعث بعد الموت پر بھی استشہاد کیا گیا ہے چنانچہ واقعہ کا آغاز کرنے سے پہلے قیامت اور حشر و نشر کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے:

"اور بے شک یہ ہم ہی ہیں کہ زندہ کرتے اور مارتے ہیں اور ہم ہی سب کے وارث ہیں اور ہم ان کو بھی جانتے ہیں جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں اور ان کو بھی جانتے ہیں جو بعد میں آنے والے ہیں اور بے شک تمہارا خداوند ہی ہے جو ان سب کو اکٹھا کرے گا بے شک وہ علیم اور حکیم ہے۔" (حجر: ۲۳ــ۲۵)

اس کے بعد اس حقیقت پر واقعۂ ابلیس و آدمؑ کو بطور مثال بیان کیا گیا ہے اور دلیل یہ پیش کی گئی ہے کہ جس انسان کو ہم نے سیاہ اور بدبودار سڑے ہوئے گارے سے پیدا کیا ہے اسے دوبارہ کیوں نہیں اٹھا کھڑا کر سکتے؟ یہی وجہ ہے کہ یہاں صرف یہی نہیں فرمایا کہ ہم نے آدمؑ کو مٹی سے پیدا کیا ہے بلکہ اس کے ساتھ "حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ" کا بھی اضافہ ہے جو دوسرے مقامات پر نہیں ہے۔ یہ بالکل اسی طرز کا استدلال ہے جس کی مثالوں سے قرآن پاک بھرا پڑا ہے۔ سورہ یٰسٓ میں ہے:

أَوَلَمْ يَرَ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ	کیا انسان دیکھتا نہیں ہے کہ ہم نے اسے
مِن نُّطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ	نطفہ سے پیدا کیا پھر وہ صریح جھگڑالو بن
وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ	کر کھڑا ہو گیا؟ اب وہ ہم پر مثالیں چسپاں
قَالَ مَن يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ	کرتا ہے اور اپنی پیدائش کو بھول جاتا ہے۔
قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا	کہتا ہے: "کون ان ہڈیوں کو زندہ کرے گا
أَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ	جبکہ یہ بوسیدہ ہو چکی ہوں"؟ اس سے کہو:
خَلْقٍ عَلِيمٌ	انھیں وہی زندہ کرے گا جس نے انھیں پہلے
(یٰسین: ۷۷-۷۹)	پیدا کیا تھا اور وہ تخلیق کا ہر کام جانتا ہے۔

۲۔ دوسری بات یہ کہ چونکہ یہاں قریش کے ابلیسانہ کردار پر چوٹ کرنی تھی اس لیے ابلیس کا کردار قدرے تفصیل سے دکھایا گیا ہے چنانچہ ۳۱ تا ۴۴ آیات میں اس کی دھمکیاں وضاحت کے ساتھ نقل کی گئی ہیں۔

۳۔ اس واقعہ کے بعد قوم لوطؑ، قوم شعیبؑ، قوم ثمود وغیرہ کی عبرتناک داستان بیان کی گئی ہے تاکہ ان اقوام کی سرگزشت بھی قریش کے سامنے آجائے جنھوں نے ضد اور ہٹ دھرمی میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انکار کیا اور ابلیسی رعونت کا شکار ہو کر اپنی عاقبت تباہ کر لی۔

۴۔ چوتھی حقیقت یہ ذہن نشین کرائی گئی ہے کہ قریش اپنی غلطی کے خود ذمہ دار ہیں۔ شیطان کا کوئی کام اس سے زیادہ نہیں ہے کہ وہ حیاتِ دنیا کی چمک دمک سے تم کو دھوکہ دے کر بندگی کی راہ سے تم کو منحرف کرنے کی کوشش کرتا ہے اس سے دھوکہ کھانا تمہارا اپنا عمل ہے جس کی کوئی ذمہ داری تمہارے سوا کسی اور پر نہیں ہے۔ چنانچہ سورۂ ابراہیم میں اس امر کی صراحت کر دی گئی ہے کہ قیامت کے دن شیطان اپنے متبعین سے اعلان برأت کرے گا وہ کہے گا:

"بے شک اللہ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا اور میں نے تم سے وعدہ کیا تو اس کی خلاف ورزی کی اور مجھے تم پر کوئی اختیار نہیں تھا، بس میں نے تمہیں دعوت دی اور تم نے میری بات مان لی تو مجھے ملامت نہ کرنا، اپنے آپ ہی کو ملامت کرو، نہ میں تمہاری فریادرسی کر سکتا اور نہ تم میری فریادرسی کر سکتے تم نے جو مجھے شریک بنا لیا تو میں نے اس کا پہلے سے انکار کر دیا۔" (ابراہیم: ۲۲)

سورہ بنی اسرائیل میں

آیات ۶۱ تا ۶۵ میں آدمؑ و ابلیس کا تذکرہ ہے اس سے پہلے کفار قریش کو اس بات پر تنبیہ کی گئی ہے کہ تم اعراض و انکار کی پالیسی پر عمل نہ کرو اور اللہ نے جن نعمتوں سے تمہیں نوازا ہے ان کی ناقدری نہ کرو بلکہ شکر و اطاعت کا رویہ اختیار کرو اس کے بعد قصۂ آدمؑ و ابلیس کو بیان کیا گیا ہے جس سے اس امر کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ ان کے اعراض و انکار کا اصل سبب وہ ناشکری اور استکبار ہے جو ان کے لیڈر ابلیس کی سنت ہے۔ جس طرح ابلیس کو جب حکم ہوا کہ آدمؑ کو سجدہ کرے تو اس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں ایک برتر مخلوق ہوں ایک خاکی مخلوق کو کس طرح سجدہ کر سکتا ہوں اسی طرح یہ لوگ بھی خدا کی نعمتیں پا کر سیادت و چودھراہٹ کے پندار میں اندھے ہو گئے ہیں اور ان کا یہ پندار ان کو اجازت نہیں دے رہا ہے کہ وہ تمہیں رسول مان کر اپنی لیڈری سے دست بردار ہو جائیں۔

چنانچہ اس واقعہ کے بعد ۶۶ تا ۷۲ آیات میں انسان کی اس نفسیات کا ذکر کیا گیا کہ جب وہ کسی مصیبت میں پکڑا جاتا ہے تو خداوند کو پکارتا اور اس کے آگے روتا اور گڑگڑاتا ہے لیکن جوں ہی اس مصیبت سے نجات پا جاتا ہے پھر اکڑنے اور سرکشی کرنے لگتا ہے اور یہ بھول جاتا ہے کہ خدا چاہے تو دوبارہ اس حالت میں گرفتار کر سکتا ہے۔ پھر انسان کی یہ کیفیت بیان کی گئی کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا (بنی اسرائیل: ۶۷) اور انسان بڑا ہی ناشکرا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس سورہ کے آغاز میں شرک کی تردید کی گئی ہے اور اموال و اولاد میں دوسری ہستیوں کو شریک کرنے پر کفار کو ملامت کی گئی ہے فرمایا:

"کیا تمہارے رب نے تمہارے لیے تو بیٹے مخصوص کیے اور اپنے لیے فرشتوں کو بیٹیاں بنالیں۔ یہ تو تم بڑی ہی سنگین بات کہتے ہو۔ اور ہم نے اس قرآن میں گوناگوں اسلوبوں سے یہ بات واضح کردی کہ وہ یاددہانی حاصل کریں لیکن یہ چیز ان کی بیزاری ہی میں اضافہ کیے جارہی ہے۔ کہہ دو کہ اگر کچھ اور الٰہ بھی اس کے شریک ہوتے جیسے یہ دعویٰ کرتے ہیں تو وہ عرش والے پر ضرور چڑھائی کر دیتے وہ پاک اور بہت برتر ہے ان باتوں سے جو یہ لوگ کہتے ہیں" (بنی اسرائیل: ۴۰-۴۳)

اس کے بعد یہ قصہ بیان کرکے گویا اس امر کی تصریح کردی کہ مال و اولاد میں کسی کو شریک ٹھہرانا شیطان کی گمراہیوں میں سے ہے۔

سورہ طٰہٰ میں

اس سورہ میں حضرت موسیٰؑ اور فرعون کی سرگزشت تفصیل سے بیان کی گئی پھر آیت ۹۹ اور اس کے بعد کی آیات میں نئے دلائل اور نئے اسلوب کے ساتھ وہی بات دوہرائی گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے فرمایا کہ:

"اسی طرح ہم تمہیں ماضی کی سرگزشتیں بھی سناتے ہیں اور خاص اپنے پاس سے ہم نے تم کو ایک ذکر عطا کیا ہے جو اس سے اعراض کریں گے وہ قیامت کے دن ایک بھاری بوجھ اٹھائیں گے"۔ (طٰہٰ: ۹۹، ۱۰۰)

یعنی یہ صرف ماضی کی سرگزشت نہیں ہے بلکہ یہی کچھ تمہارے اور تمہارے مخالفین کے ساتھ بھی پیش آرہا ہے اور پیش آئے گا۔ اس کے بعد آیت ۱۱۵ سے قصۂ آدمؑ و ابلیس شروع ہوگیا ہے جس سے اس حقیقت کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ آج جو لوگ تمہاری اس یاددہانی سے اعراض اور دوسروں کو برگشتہ کرنے کی کوشش کررہے ہیں وہ شیطان کا کردار ادا کررہے ہیں اس لیے انھیں شیطان کا انجام بد بھگتنے کے لیے تیار بھی رہنا چاہیے۔

دوسری بات یہ کہ اس قصہ سے معاً پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تاکید کی گئی ہے کہ قرآن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جس تدریج کے ساتھ اتر رہا ہے اسی تدریج کے ساتھ لوگوں کو سناؤ۔ اسی تدریج میں حکمت ہے اس کے لیے جلدی نہ کرو۔ جلدی میں خیر و برکت نہیں ہے یہ بادشاہ حقیقی کا فرمان ہے کسی سائل کی درخواست نہیں ہے اس لیے لوگوں کے ردّ و قبول سے بے نیاز ہو کر جس تدریج اور ترتیب کے ساتھ یہ اتر رہا ہے لوگوں کو سناتے رہو اس کے بعد حضرت آدمؑ کا قصہ بیان ہوا ہے جس سے گویا اس امر کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ یہی عجلت آدمؑ کی لغزش کا سبب بنی۔ انسانی فطرت کے اسی ضعف سے ابلیس نے فائدہ اٹھایا اور آدمؑ کو ورغلا کر اللہ کی اس ہدایت سے غافل کر دیا جو ان کو ایک خاص درخت کے پھل سے اجتناب کے لیے کی گئی تھی۔ مقصود یہ ہے کہ یہ عجلت کسی کو بھی راس نہیں آئی ہے۔ اس سے پہلے حضرت موسیٰؑ کی داستان میں بھی یہ حقیقت واضح فرمائی گئی ہے کہ ان کی عجلت بھی ان کے اور ان کی قوم کے لیے ایک سخت آزمائش بن گئی۔ ان واقعات سے آنحضورؐ کو یہ تعلیم دینا مقصود ہے کہ دعوت کے معاملے میں جلدی نہ کریں بلکہ صبر و عزم کے ساتھ درجہ بدرجہ جس طرح آپ کو ہدایت کی جا رہی ہے اپنے کام میں لگے رہیں۔ اگر آپ نے جلدی کی تو اس بات کا اندیشہ ہے کہ آپ کی امت کی تربیت میں کمی رہ جائے اور کوئی شیطان یا سامری اس سے فائدہ اٹھا کر لوگوں کو ایک فتنہ میں مبتلا کر دے۔

سورۂ صٓ میں

اس سورہ کے آغاز میں بتایا گیا تھا کہ یہ کتاب قرآن تو ایک نصیحت اور یاددہانی ہے لیکن یہ کفار کبر و غرور میں مبتلا ہونے کی وجہ سے اس کی مخالفت کر رہے ہیں:

> "یہ سورہ صٓ ہے۔ قسم ہے یاددہانی سے معمور قرآن کی (کہ اس کی ہر بات برحق ہے) بلکہ جن لوگوں نے اس کا انکار کیا وہی گھمنڈ اور مخاصمت میں مبتلا ہیں" (صٓ: ۲،۱)

اس کے بعد ماضی کی بعض سرکش قوموں کا حوالہ ہے جنھوں نے اللہ کے رسول کے ساتھ یہ متکبرانہ روش اختیار کی اور بالآخر کیفر کردار کو پہونچیں۔ پھر حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ اور دوسرے انبیاء کا حوالہ ہے جنھوں نے بے مثال قوت و حشمت حاصل کرنے کے باوجود تکبر کا رویہ اختیار نہ کیا بلکہ ان کی شوکت و قوت میں جتنا ہی اضافہ ہوتا گیا اتنی ہی ان کی شکر گزاری اور انابت ترقی کرتی گئی۔ آخر میں (۷۱ تا ۸۸) آدمؑ و ابلیس کا ماجرا بیان ہوا اور اس کے حوالے سے اس کبر و رعونت کا شجرۂ نسب بیان کر دیا گویا قریش کو اس آئینہ میں دکھایا ہے کہ وہ جس گھمنڈ میں مبتلا ہو کر رسول کی تکذیب کر رہے ہیں یہ صالحین کی نہیں بلکہ ابلیس کی میراث ہے اس لیے اگر یہ اسی سنت کو زندہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں تو اس انجام کے لیے بھی تیار رہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو ابلیس اور اس کی پیروی کرنے والوں کا ہوگا۔

سورہ کہف میں

اس سورہ میں آدمؑ و ابلیس کا ماجرا بیان کرنے سے پہلے اس دنیوی زندگی کی تمثیل پیش کی ہے جس کی محبت میں اندھے ہوکر یہ کفار قریش قرآن اور پیغمبر اسلام کی باتیں سننے کو تیار نہیں تھے۔ فرمایا کہ اس دنیا کی جتنی زینتیں اور رونقیں ہیں وہ ساتھ جانے والی نہیں ہیں صرف آدمی کے اعمال صالحہ اس کے ساتھ جائیں گے۔

"اور ان کو اس دنیوی زندگی کی تمثیل سناؤ کہ اس کو یوں سمجھو کہ بارش ہو جس کو ہم نے آسمان سے اتارا پس زمین کی نباتات اس سے خوب اُگیں پھر وہ چورا ہو جائیں جس کو ہوائیں اڑائے لیے پھریں اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ مال و اولاد دنیوی زندگی کی زینت ہیں اور باقی رہنے والے اعمال صالحہ باعتبار ثواب اور باعتبار امید تمہارے رب کے نزدیک بہتر ہیں۔" (کہف: ۴۵، ۴۶)

اس کے بعد آدمؑ و ابلیس کی داستان بیان کردی تاکہ یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ مال و اولاد پر الجھنا اور دنیوی زندگی پر فریفتہ و دیوانہ ہونا ابن آدم کا نہیں بلکہ شیطان کا وطیرہ ہے جس نے تمہارے جدّ امجد آدمؑ کو ایسی ہی زندگی کی دل فریبیاں دکھا کر خدا کی حکم عدولی پر اکسایا تھا۔

اس طرح دیکھئے واقعہ ایک ہے لیکن ہر جگہ لواحق و تضمنات، جملوں کی ساخت و ترتیب، پس منظر اور پیش منظر بدلے ہوئے ہیں اور ہر جگہ مختلف و منفرد پہلوؤں پر زور دیا گیا ہے کہیں آدمؑ کی خلافت اور اس کے تقاضوں پر زور دیا گیا ہے کہیں شرک کی تردید کے پس منظر میں یہ واقعہ آیا ہے کہیں بعث بعد الموت پر اس واقعہ سے استدلال کیا گیا ہے کہیں اتباع غیر اللہ کے انجام بد سے متنبہ کرنے کے لیے یہ داستان بیان ہوئی ہے کہیں دنیوی زندگی کی زینتوں اور رونقوں پر تنقید کرتے ہوئے اس واقعہ سے مدد لی گئی ہے لیکن مجال نہیں ہے کہ کہیں اکتاہٹ یا واقعہ کا بے جا طول یا تکرار کا عیب محسوس ہو۔

قصۂ ابراہیمؑ مختلف سورتوں میں

اسی طرح حضرت ابراہیمؑ کی داستان قرآن میں مختلف مواقع پر بیان ہوئی ہے لیکن ہر جگہ مقصد اور مدّعا دوسری جگہوں سے مختلف اور اسلوب بیان بدلا ہوا ہے، مثال کے طور پر سورۂ بقرہ میں سب سے پہلے آیات ۱۲۴ تا ۱۴۱ میں یہ قصہ بیان ہوا ہے جس کے چند مضمرات یہ ہیں:-

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۔ حضرت ابراہیمؑ کو امامت و پیشوائی کا جو منصب اللہ نے عطا فرمایا تھا وہ بطورِ وراثت نہیں بلکہ خاص عطیۂ الٰہی تھا اس وجہ سے ان کی ذریت میں سے بھی وہی لوگ اس منصب کے سزاوار ہوں گے جو اس منصب کے شایانِ شان صفات کے حامل ہوں گے چنانچہ فرمایا:

"اس نے کہا، میں تجھے سب لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں۔ ابراہیمؑ نے عرض کیا" اور کیا میری اولاد سے بھی یہی وعدہ ہے؟" اس نے جواب دیا "میرا وعدہ ظالموں سے متعلق نہیں ہے۔" (بقرہ: ۱۲۴)

۲۔ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ نے بیت اللہ کی تعمیر کے وقت ایک امت مسلمہ برپا کرنے اور ان کے اندر انہی میں سے ایک رسول مبعوث کرنے کی دعا کی تھی (بقرہ: ۱۲۹-۱۲۸)

۳۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسی دعائے ابراہیمی کے مظہر اور اسی ملت ابراہیمی کے داعی ہیں اس لیے کہ حضرت ابراہیمؑ نے جن صفات کے پیغمبر کے لیے دعا کی تھی (یعنی تلاوتِ آیات، تعلیم کتاب و حکمت اور تزکیہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعینہٖ انہی صفات کے ساتھ مبعوث ہوئے اور آپ نے اُمیّوں کے اندر عملاً وہ سارے کام انجام دیے جن کے لیے حضرت ابراہیمؑ نے دعا فرمائی تھی۔ سورہ جمعہ میں ہے

"وہی خدا ہے جس نے بھیجا اُمیّوں میں ایک رسول جو ان کو پڑھ کر سناتا ہے اس کی آیتیں اور ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے بیشک یہ لوگ اس سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔" (جمعہ: ۲)

۴۔ ان حقائق کا تقاضا ہے کہ اہل کتاب یہودیت یا نصرانیت کے تعصب میں مبتلا نہ ہوں بلکہ اس ملت ابراہیمیؑ کی پیروی کریں جس کی دعوت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دے رہے ہیں:

"پھر اگر وہ اسی طرح ایمان لائیں جس طرح تم ایمان لائے ہو تو ہدایت پر ہیں اور اگر اس سے منہ پھیریں تو کھلی بات ہے کہ وہ ہٹ دھرمی میں پڑ گئے ہیں" (بقرہ: ۱۳۷)

اسی سورہ میں دوبارہ آیت ۲۵۸ میں حضرت ابراہیمؑ کی زندگی کے ایک مخصوص پہلو پر زور ڈالنے کے لیے آپ کی سرگزشت بیان ہوئی ہے جس کا مقصد اس سنتِ الٰہی کی تمثیلی وضاحت ہے جو ہدایت و ضلالت کے باب میں جاری ہے وہ سنت یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کی نعمتوں کو اس کا فضل قرار دینے کے بجائے ان کو اپنا حق سمجھتے ہیں، جو نعمتوں پر خدائے منعم کا شکر گزار ہونے کے بجائے غرور اور گھمنڈ میں مبتلا ہوتے ہیں جو خدا کی فرماں برداری کے بجائے اپنی خدائی کے تخت بچھاتے ہیں ان پر ہدایت کی راہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں کھلا کرتی۔ ایسے لوگ حق واضح ہونے کے بعد بھی بحث اور کٹ حجتی کی کوئی نہ کوئی راہ ڈھونڈھ ہی لیتے ہیں اور اگر بچاؤ کی کوئی راہ نظر نہ آئے تو وہ نمرود کی طرح ششدر اور مبہوت تو رہ جاتے ہیں لیکن حق کی قبولیت کا دروازہ پھر بھی ان پر نہیں کھلتا:

"اللہ لوگوں کا کارساز ہے جو ایمان لاتے ہیں۔ وہ ان کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف لاتا ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا ہے ان کے کارساز طاغوت بنتے ہیں وہ ان کو روشنی سے تاریکیوں کی طرف دھکیلتے ہیں یہی لوگ دوزخی ہیں۔ یہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ کیا تم نے اس کو نہیں دیکھا جس نے ابراہیمؑ سے اس کے رب کے بارے میں اس وجہ سے حجت کی کہ خدا نے اس کو اقتدار بخشا تھا جبکہ ابراہیمؑ نے کہا میرا رب تو وہ ہے جو زندگی بخشتا اور موت دیتا ہے وہ بولا کہ میں بھی زندہ کرتا اور مارتا ہوں۔ ابراہیمؑ نے کہا یہ بات ہے تو اللہ سورج کو پورب سے نکالتا ہے تو اسے پچھم سے نکال دے تو وہ کافر یہ سن کر بھونچکا رہ گیا اور اللہ ظالموں کو راہ یاب نہیں کرتا۔" (بقرہ: ۲۵۷، ۲۵۸)

سورۂ انعام میں

حضرت ابراہیمؑ کی سرگزشت آیات ۷۴ تا ۹۰ میں بیان ہوئی ہے۔ اس سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت ہے کہ ان کفار قریش سے کہہ دو کہ کیا حق واضح ہو جانے اور اللہ کی ہدایت آجانے کے بعد ہماری مت ماری ہوئی ہے کہ ہم صحرا میں گم کردہ قافلے کی طرح بھٹکتے پھریں؟ ہم تو اب اسی راہ پر چلیں گے جو خدا نے ہمارے لیے کھولی ہے اس کے بعد حضرت ابراہیمؑ اور ان سے پہلے اور ان کے بعد پیدا ہونے والے تمام انبیاء کا حوالہ دے کر بتایا گیا ہے کہ ان سب کی دعوت یہی تھی جو یہ پیغمبر دے رہے ہیں پھر نبیؐ کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ تم بہرحال اسی ہدایت یافتہ گروہ کی ہدایت کی پیروی کرو اگر تمہاری یہ قوم تمہاری یہ بات نہیں سنتی تو اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔ تمہاری ذمہ داری صرف دعوت و تبلیغ کی ہے ان کے دلوں میں ایمان و ہدایت اتار دینا تمہارا کام نہیں ہے:

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۖ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ ۗ قُل لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا ۖ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرَىٰ لِلْعَالَمِينَ (انعام: ۹۰)

یہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت بخشی تو تم بھی انہی کے طریقے کی پیروی کرو۔ اعلان کر دو میں اس پر تم سے کسی صلہ کا طالب نہیں، یہ تو بس عالم والوں کے لیے ایک یاد دہانی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سورہ توبہ میں

حضرت ابراہیمؑ کے تذکرہ سے پہلے نبیؐ اور اہلِ ایمان کو اس بات کی سختی سے تاکید کی گئی ہے کہ جن لوگوں پر حق پوری طرح واضح کیا جا چکا ہے اور جن سے اتمام حجت کے بعد اعلان برأت ہو چکا ہے پھر بھی وہ ایمان نہ لائے ان کے لیے اہلِ ایمان مغفرت نہ مانگیں اس لیے کہ اس قسم کے مخالفین اور دشمنان اسلام خدا کے غضب کے مستحق ہیں ان کے لیے رشتۂ قرابت یا کسی اور رابطۂ محبت کی بنا پر رحمت کی دعا کرنے کے معنی یہ ہیں کہ حمیتِ قرابت حمیتِ حق پر غالب ہے[۵۵]۔ اس کے بعد حضرت ابراہیمؑ کا ذکر آیا ہے:

"اور ابراہیمؑ کا اپنے باپ کے لیے مغفرت مانگنا صرف اس وعدے کے سبب سے تھا جو اس نے اس سے کر لیا تھا پھر جب اس پر واضح ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس نے اس سے اعلانِ برأت کر دیا بے شک ابراہیم بڑا ہی رقیق القلب اور بردبار تھا۔" (توبہ: ۱۱۴)

اس سے ماقبل کی جو آیت ہے اسے بھی سامنے رکھئے تاکہ ربط اور پس منظر واضح رہے:

"نبی اور مومنین کے لیے روا نہیں کہ وہ مشرکوں کے لیے مغفرت مانگیں اگرچہ وہ قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں جبکہ یہ ظاہر ہو چکا کہ یہ جہنم میں جانے والے لوگ ہیں۔" (توبہ: ۱۱۳)

یعنی حضرت ابراہیمؑ نے جو کچھ کیا وہ محض ایک وعدے کا ایفا تھا جو وہ اپنے باپ سے کر چکے تھے پھر یہ اس وقت کا معاملہ ہے جب ان پر بات پوری طرح واضح نہیں ہوئی تھی کہ باپ فی الحقیقت اللہ کا دشمن ہے لیکن جب اس کی دشمنی آشکارا ہو گئی تو اعلانِ برأت کر دیا۔

سورہ ھود میں

حضرت ابراہیمؑ کا تذکرہ پچھلے رسولوں اور ان کی قوموں کے ضمن میں ہوا ہے۔ مقصود یہ ہے کہ انبیاء اور ان کے اہلِ ایمان ساتھی محفوظ رہے اور منکرین و مکذبین پر خدا کا عذاب آدھمکا اور وہ اس کی لپیٹ سے نہ بچ سکے۔ اس لیے قریش نے آج جو روش اختیار کر رکھی ہے اس کا انجام بھگتنے کے لیے وہ تیار رہیں اور دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دکھانا ہے کہ آج جو کچھ تمہیں پیش آ رہا ہے بعینہٖ وہی کچھ تم سے پہلے کے رسولوں کو بھی پیش آ چکا ہے اس لیے حالات سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ صبر و عزیمت کے ساتھ ان کا مقابلہ کرنے کی ضرورت ہے فرمایا:

"اور ابراہیم کے پاس ہمارے فرستادے خوش خبری لے کر آئے۔ کہا سلامتی ہو۔ اس نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی کہا سلامتی ہو۔ دیر نہیں گزری کہ اس نے ان کے آگے بھنا ہوا بچھڑا پیش کیا پھر جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ اس کی طرف نہیں بڑھ رہے ہیں تو اس نے ان میں اجنبیت پائی اور ان کی طرف سے ایک خدشہ محسوس کیا وہ بولے کہ تم اندیشہ نہ کرو، ہم تو قوم لوطؑ کی طرف بھیجے گئے ہیں اور اس کی بیوی پاس کھڑی تھی وہ ہنسی پس ہم نے اس کو اسحاق کی خوشخبری دی اور اس کے آگے یعقوب کی۔ وہ بولی کہ ہائے شامت، کیا میں اب بچہ جنوں گی جب میں خود بھی ایک بڑھیا ہوں اور یہ میرے شوہر بھی بوڑھے ہیں! یہ تو ایک نہایت ہی عجیب بات ہوگی، وہ بولے، کیا خدا کی بات پر تعجب! اللہ کی رحمت اور برکتیں نازل ہوں آپ پر اے اہلِ بیتِ نبی۔ بے شک وہ سزاوارِ حمد و بزرگ ہے۔ تو جب ابراہیمؑ کا خوف دور ہوا اور اس کو بشارت ملی تو وہ ہم سے قوم لوط کے بارے میں بحث کرنے لگا۔ بے شک ابراہیمؑ نہایت ہی بردبار، دردمند اور اپنے ربّ کی طرف دھیان رکھنے والا تھا۔ اے ابراہیمؑ یہ بحث چھوڑو۔ اب تمہارے رب کا حکم ہو چکا ہے اور ان پر ایک ایسا عذاب آنے والا ہے جو ٹالے نہ ٹالا جا سکے"۔ (ہود: ۶۹-۷۶)

سورہ ابراہیم میں

یہاں حضرت ابراہیمؑ کا تذکرہ کرنے سے پہلے قرآن نے کفار قریش پر خدا کی بے شمار نعمتوں کا تذکرہ کیا ہے اور پھر ان کا کفران نعمت بھی بیان کیا ہے۔ فرمایا کہ اللہ نے انھیں حرم کی پاسبانی عطا کی اور اس کے طفیل میں تمام عرب کی سیادت و قیادت بخشی۔ ان کو بدویانہ اور گلّہ بانی کی غیر مطمئن زندگی کی جگہ شہری زندگی کا سکون بخشا۔ ایک وادیٔ غیر ذی ذرع میں رزق و فضل کے دروازے کھولے۔ بارش، کشتی، دریا، سورج، چاند، شب و روز سب کو ان کی نفع رسانی میں سرگرم کیا پھر اس کے بعد قرآن نے حضرت ابراہیمؑ کی داستان بیان کر کے سب سے بڑی نعمت جو کفار قریش پر ہوئی اس کا بھی اظہار کر دیا یعنی بتوں کی پوجا اور شرک سے اجتناب۔ لیکن انھوں نے ان ساری نعمتوں کی قدر نہ کی اور کفر و شرک کی زندگی اختیار کرلی اور بہت سے شرکاء و شفعاء ایجاد کر کے خلق خدا کو ان کی پرستش کی راہ پر لگا دیا:۔

"اور تم کو ہر چیز میں سے بخشا جس کے تم طالب بنے اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو گے تو ان کو شمار نہ کر پاؤ گے بے شک انسان بڑا ہی حق تلف اور ناشکرا ہے۔

اور یاد کرو جب ابراہیمؑ نے دعا کی کہ اے میرے رب اس سرزمین کو پُرامن بنا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور مجھ کو اور میری اولاد کو اس بات سے محفوظ رکھ کہ ہم بتوں کو پوجیں، اے میرے رب! ان بتوں نے لوگوں میں سے ایک خلق کثیر کو گمراہ کر رکھا ہے تو جو میری پیروی کرے وہ تو مجھ سے ہے اور جو میری نافرمانی کرے تو تو، بخشنے والا مہربان ہے۔" (ابراہیم: ۳۴-۳۶)

حضرت ابراہیمؑ کی یہ دعا اس طرح قبول ہوئی کہ انسان تو انسان اس سرزمین پر کسی جاندار کو ستانا بھی گناہ ٹھہرا۔ حج کے لیے چار مہینے محترم قرار دیے گئے، کفار قریش کو خانہ کعبہ کی بدولت پورے عرب کی سرداری نصیب ہوئی اور شرک سے اجتناب کا یہ طریقہ نکالا کہ اس میں برابر انبیاء آتے رہے جنھوں نے شرک و بت پرستی کا استیصال کیا۔

سورہ مریم میں

چونکہ اس سورہ کا عمود توحید کا اثبات اور شرک کا ابطال ہے اس لیے اس میں انبیاء کے حوالے سے یہ بات کہی گئی ہے کہ ان کی دعوت توحید کی دعوت تھی لیکن ان کے پیرو شرک میں مبتلا ہو گئے۔ اس لیے یہاں حضرت ابراہیمؑ کے قصّے سے مکالمہ کا وہ حصّہ نقل کیا گیا ہے جو اس مقصد کے لیے موزوں اور مفید تھا فرمایا:

"اور کتاب میں ابراہیمؑ کی سرگزشت کو یاد کرو بے شک وہ راست باز اور نبی تھا۔ یاد کرو جبکہ اس نے اپنے باپ سے کہا کہ اے میرے باپ! آپ ایسی چیزوں کی پرستش کیوں کرتے ہیں جو نہ سنتی ہیں نہ دیکھتی ہیں اور نہ وہ آپ کے کچھ کام آنے والی ہیں۔ اے میرے باپ، میرے پاس وہ علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا ہے تو آپ میری پیروی کریں میں آپ کو سیدھی راہ دکھاؤں گا۔ اے میرے باپ، شیطان کی پرستش نہ کیجئے شیطان خدائے رحمان کا بڑا ہی نافرمان ہے۔ اے میرے باپ، مجھے ڈر ہے کہ آپ کو خدائے رحمٰن کا کوئی عذاب آپکڑے اور آپ شیطان کے ساتھی بن کے رہ جائیں۔

وہ بولا اے ابراہیمؑ، کیا تم میرے معبودوں سے برگشتہ ہو رہے ہو، اگر تم باز نہ آئے تو میں تمہیں سنگسار کر دوں گا۔ تم ہمیشہ کے لیے مجھ سے دور اور دفع ہو۔" (مریم ۴۱-۴۶)

سورہ انبیاء میں

کفارِ قریش کو تنبیہ ہے کہ جو دعوتِ توحید آج رسول تمہیں دے رہے ہیں وہی تمام انبیاء نے اپنی قوموں کو دی ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"کیا انھوں نے خدا کے سوا دوسرے معبود ٹھہرا رکھے ہیں؟ ان سے کہو کہ اپنی دلیل پیش کرو۔ یہ تعلیم ہے ان لوگوں کی جو میرے ساتھ ہیں اور ان لوگوں کی بھی جو مجھ سے پہلے ہوئے بلکہ ان میں سے اکثر حق سے بے خبر ہیں اس وجہ سے اعراض کیے جا رہے ہیں۔" (انبیاء: ۲۴)

اس کے بعد حضرت ابراہیمؑ کا وہ عملی کردار سامنے رکھ دیا گیا جو توحید کا کھلا اعلان اور شرک سے واضح برأت اور نفرت کا مظہر ہے فرمایا:

"پس اس نے ان (بتوں) کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا بجز ان کے ایک بڑے کے تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کریں۔ وہ بولے کہ ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت کس نے کی! بے شک وہ بڑا ہی ظالم ہے لوگوں نے بتایا کہ ہم نے ایک جوان کو ان کا ذکر کرتے سنا تھا جس کو ابراہیم کہتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ اس کو لوگوں کے سامنے حاضر کرو تاکہ وہ بھی گواہ رہیں۔ انھوں نے پوچھا کہ ابراہیمؑ کیا یہ حرکت ہمارے معبودوں کے ساتھ تم نے کی ہے!اس نے جواب دیا کہ بلکہ ان کے اس بڑے نے یہ حرکت کی ہے تو انہی سے پوچھ لو اگر یہ بولتے ہوں۔ تو ان کو ذرا تنبہ ہوا اور آپس میں بولے کہ بلاشبہ تم ہی ناحق پر ہو۔" (انبیاء، ۵۸۔۶۴)

اس طرح دیکھئے کہ مختلف مواقع پر قصہ کے جس پہلو کی ضرورت تھی اسے بیان کیا ہے اور تکرار کا عیب کہیں پیدا نہیں ہونے پایا ہے۔ ان دو واقعات کی تفصیل سے قرآن کے دیگر واقعات کی تکرار کی حکمت سمجھ میں آسکتی ہے۔

تعلیقات وحواشی

لہ علمائے قرآن کے قصص وواقعات کے سلسلے میں اور بھی مختلف باتیں کہی ہیں مثال کے طور پر:

۱۔ سورہ فاتحہ میں بندے نے اپنے رب سے دعا کی تھی کہ "اے اللہ ہمیں صراط مستقیم کی ہدایت دے۔ ان لوگوں کا راستہ جنہیں تو نے اپنے انعامات سے نوازا نہ کہ ان لوگوں کا راستہ جن پر غضب نازل کیا گیا اور نہ ان لوگوں کا راستہ جو گمراہ ہوئے" اس کے جواب میں اللہ نے منعم علیہ اور مغضوب علیہ قوموں اور افراد کی سرگزشت تفصیل سے بیان کردی۔

۲۔ ان قصوں سے دوسری تعلیم ہمیں یہ ملتی ہے کہ اسلام کوئی نیا دین نہیں ہے جسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم لے کر اٹھے بلکہ یہ وہ واحد دین ہے جس کی طرف دعوت دینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے رسالت کا سلسلہ قائم فرمایا یہاں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تک کہ آخری رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے جن پر وحی و نبوت کا سلسلہ تمام ہوا۔ گویا دوسری طرف ان قصوں سے انبیاء سابقین کی تصدیق ہو گئی۔

۳۔ تیسری تعلیم یہ ملتی ہے کہ جس طرح سارے انبیاء کا اصل دین اسلام تھا اسی طرح ان کے موافقین و مخالفین اور دوست و دشمن سبھی یکساں فطرت کے حامل تھے اور ان کے مزاج میں ہمیشہ یکسانیت پائی جاتی رہی ہے ماننے والوں کو بارہا آزمایا گیا اور بالآخر کامیاب ہوئے اور منکرین کو مہلت دی گئی اور آخرکار ناکام و نامراد ہو گئے۔

۴۔ چوتھی تعلیم یہ ملتی ہے کہ جو لوگ وحی الٰہی سے بے نیاز ہو کر اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی کی تشکیل کرتے ہیں وہ اسی تباہی و بربادی سے دوچار ہوتے ہیں جو ہمیشہ سے گمراہ اور مفسد قوموں کا مقدر رہا ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں آسکتی کیونکہ یہ اللہ کی سنت ہے اور اللہ کی سنت کبھی تبدیل نہیں ہوتی۔

(مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: ابوالقاسم عبدالرحمٰن السہیلی (متوفی ۵۸۱ھ) کی کتاب التعریف والاعلام بما انبہم فی القرآن من الاسماء والاعلام نیز علامہ احمد العدوی کی ضبط اسماء الانبیاء علیہم السلام الذین ذکروا فی القرآن الکریم نیز احمد السجاعی کی فتح المنان فی بیان مشاہیر الرسل فی القرآن اور محمد ابوالخیر عابدین کی التعریر فی التکویر وغیرہ)

۵۔ جیسا کہ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے لکھا ہے کہ قرآن "ابلاغ حق اور دعوت الی اللہ کے اہم مقصد کے پیش نظر صرف انہی وقائع کو سامنے لاتا ہے جو اس غرض و غایت کو پورا کرتے ہوں اور اسی لیے قرآن عزیز میں ان کی تکرار پائی جاتی ہے تاکہ سامعین کے دلوں میں وہ گھر کر سکیں اور فطری و طبعی رجحانات کو ان حقائق کی جانب متوجہ کیا جا سکے اور یہ جب ہی ممکن ہے کہ ایک بات کو مختلف پیرایہ ہائے بیان اور مناسب حال اسلوب نگارش سے بار بار دہرایا جائے اور خوابیدہ قوائے فکر یہ کو پے بہ پے بیدار کیا جائے"۔ (قصص القرآن حصہ اول کا مقدمہ ص: ۵ مطبوعہ ندوۃ المصنفین دہلی ۱۹۵۱ء) یا مثال کے طور پر مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ تفہیم القرآن کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ: "بے شک قرآن مجید ایک دعوت اور عملی تحریک ہے جس کا فطری اقتضاء یہ ہے کہ وہ جس وقت جس مرحلے میں ہو اس میں وہی باتیں کہی جائیں جو اس مرحلے سے مناسبت رکھتی ہوں اور جب تک دعوت ایک مرحلے میں رہے بعد کے مراحل کی بات نہ چھیڑی جائے بلکہ اس مرحلے کی باتوں کا اعادہ کیا جاتا رہے خواہ اس میں چند مہینے لگیں یا کئی سال صرف ہو جائیں اور پھر یہ اعادہ ایک ہی ڈھنگ اور ایک ہی عبارت میں نہ ہو کہ طبائع انھیں سن سن کر اکتا جائیں بلکہ ہر بار نئے الفاظ، نئے اسلوب اور نئی آن بان سے کہی جائیں"۔ ۳۔ مناع القطان، مباحث فی علوم القرآن، الدار السعودیہ للنشر ص: ۱۵۳۔ ۴۔ عبدالوہاب حمودہ، القرآن وعلم النفس ۱۹۶۲ء ص: ۱۰۳ نیز تفصیل کے لیے دیکھئے: سید قطب شہیدؒ قرآن کے فنی محاسن سن طباعت ۱۹۸۳ء باب قرآن اور واقعہ نگاری ص: ۲۰۱ — ۲۱۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ھ۵ مقالات سلیمان جلد سوم ۱۹۷۱ء ص: ۶۸۔ سید قطب شہید قرآن کے واقعات کی تکرار پر گفتگو کرتے ہوئے کہتے ہیں ...... یہ بات قابل غور ہے کہ پورے واقعہ کو نہیں بلکہ اس کی بعض کڑیوں کو مکرر سہ کرر لایا جاتا ہے ـــ خصوصاً ان کڑیوں کو جن میں عبرت و موعظت پر مشتمل مواد مذکور ہوتا ہے ـــ جہاں تک پورے واقعہ کو دوہرانے کا تعلق ہے تو ایسا قرآن میں شاذ و نادر ہی ہوا ہے اور وہ بھی خاص وجوہ و اسباب اور سیاق و سباق کی مناسبات کی بنا پر چنانچہ واقعات کے اغراض بیان کرتے ہوئے ہم اس پر روشنی ڈال چکے ہیں۔ جب قاری واقعہ کی مکرر لائی گئی کڑیوں کا مطالعہ کرتا اور ساتھ ہی اس کے سیاق و سباق پر نگاہ ڈالتا ہے تو ان کو مکمل طور پر اس واقعہ سے ہم آہنگ پاتا ہے وہ محسوس کرتا ہے کہ جس کڑی کو جہاں کہیں بھی لایا گیا ہے اور اس کے لیے جو اسلوب بیان بھی اختیار کیا گیا ہے وہ بالکل درست ہے۔ اس بات کو کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ بنیادی طور سے قرآن کریم کتاب دعوت ہے اس لیے واقعہ کی جو کڑی ذکر کی گئی ان دونوں میں کامل یک رنگی و ہم آہنگی کا ہونا قرآن کا اولین مقصد ہے اور ہمیشہ ایسا ہی ہوتا ہے مگر واقعہ کا فنی پہلو اس سے متاثر نہیں ہو پاتا۔ (قرآن کے فنی محاسن ص: ۲۲۰) ھ۵۶ یہ نکتہ مولانا ابو اللیث اصلاحی ندوی نے اپنے ایک مضمون میں اٹھایا ہے تفصیل کے لیے پورا مضمون ملاحظہ کیجئے: ماہنامہ الاصلاح' سرائے میر اعظم گڑھ مارچ، اپریل، مئی ۱۹۳۶ء کے شماروں میں "قرآن میں تکرار کی نوعیت اور قصۂ آدمؑ و شیطان"۔ ھ۵۷ احادیث میں بھی اس امر کی صراحت موجود ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت دعائے خلیل اور نوید مسیحا کا مظہر تھی۔ حضرت عرباض بن ساریہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں تمہیں اپنے ابتدائی امر کے بارے میں بتاؤں؟ میں اپنے باپ ابراہیمؑ کی دعا، حضرت عیسیٰؑ کی بشارت اور اپنی ماں کا خواب ہوں جو انھوں نے میری پیدائش کے وقت دیکھا (تفسیر روح المعانی مطبوعہ مصر جزء اول ص۳۸۶ بحوالہ مسند احمد)

حضرت واثلہ بن اسقعؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا "اللہ نے حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں سے حضرت اسمٰعیلؑ کو چنا اور حضرت اسماعیلؑ میں سے بنی کنانہ کو اور بنی کنانہ میں سے قریش کو اور قریش میں سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم میں سے مجھ کو منتخب فرمایا (ترمذی مطبوعہ رشیدیہ دہلی الواب مناقب رسول اللہ ص: ۲۰۱)

ھ۵۸ یہاں اتنی بات ذہن میں ضرور رہنی چاہئے کہ خدا کے باغیوں کے ساتھ جو ہمدردی ممنوع ہے وہ صرف وہ ہمدردی ہے جو دین کے معاملے میں دخل انداز ہوتی ہو رہی انسانی ہمدردی اور دنیوی تعلقات میں صلہ رحمی، مواسات اور رحمت و شفقت کا برتاؤ تو یہ ممنوع نہیں ہے بلکہ محمود ہے رشتہ دار خواہ کافر ہو یا مومن اس کے دنیوی حقوق ضرور ادا کیے جائیں گے مصیبت زدہ انسان کی بہر حال مدد کی جائے گی۔ حاجت مند آدمی کو بہر صورت سہارا دیا جائے گا بیمار اور زخمی کے ساتھ ہمدردی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی جائے گی یتیم کے سر پر یقیناً شفقت کا ہاتھ رکھا جائے گا اور ایسے معاملات میں ہرگز یہ امتیاز نہ کیا جائے گا کہ کون مسلم ہے اور کون غیر مسلم۔ (تفہیم القرآن جلد دوم ۱۹۵۸ء ص: ۲۴۲) اس مضمون کی تیاری میں مولانا امین احسن اصلاحی کی تفسیر تدبر قرآن سے خاص طور پر استفادہ کیا گیا ہے۔

© rasailojaraid.com